© rasailojaraid.com

جناب خسروی صاحب کراچی

اقبالؔ و خمینی
میں
فکری ہم آہنگی

(یہ مضمون ایک لمحۂ فکریہ ہے۔ گو اس پر اظہار رائے اور اختلاف رائے کی گنجائش موجود ہے)

۳۰؍جون ۱۹۸۰ء کو تہران ریڈیو سے نشر شدہ حضرت خمینی کی جس تقریر کا اقتباس کراچی کے ماہنامہ "بینات" کے شمارہ بابت شوال ۱۴۰۰ھ کے صفحہ ۴۳ پر نقل کیا گیا ہے۔ وہ دراصل ہمارے ہی شارح اسلام و مفکر دین علامہ اقبال کی صدائے بازگشت ہے جو اس فلسفۂ ارتقائے انسانی کی توضیح اب سے تقریباً ۶۰ برس قبل غیر مبہم الفاظ میں فرما چکے ہیں جس سے ہر وہ شخص واقف ہے جس نے علامہ کے اس طویل مکتوب کا غائر مطالعہ کیا ہے جو انہوں نے پروفیسر نکلسن کو فلسفۂ خودی سمجھانے کے لئے بھیجا تھا۔ اور جسے پروفیسر مذکور نے "اسرار خودی" کے انگریزی ترجمہ کی ابتدائی اشاعت ۱۹۲۱ء کے آغاز میں شائع کردیا تھا۔ لہٰذا "الفضل للمتقدم" کے اصول سے اس حقیقت کے انکشاف کا سہرا تو ہمارے مفکر و مفسر قرآن و حدیث کے سر پہلے ہی بندھ چکا ہے۔ اور اب حضرت خمینی نے جو کچھ اس تقریر میں ارشاد فرمایا ہے وہ اسی نتیجۂ فکر اقبالؔ کی مزید وضاحت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ بلا ریب یہ ہمارے لئے باعث فخر و ابتہاج ہے کہ ہمارے فیلسوف اعظم کی فکری و قولی توثیق ایران کے اس بطل عظیم نے بھی کی جو دونوں میں فکری و نظری ہم آہنگی کا ناقابل تردید ثبوت ہے۔

علامہ اقبال کے اس محولہ بالا انگریزی مکتوب کا ترجمہ اردو میں انہی کے ایک عقیدت مند اور تلمیذ خاص پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب نے، علامہ کے حین حیات ہی، ۱۹۳۳ء میں کیا تھا۔ جو دوبارہ "فلسفۂ اقبال" کے عنوان سے لاہور کے ماہنامہ "میثاق" کے خصوصی شمارہ اقبال نمبر بابت دسمبر ۱۹۷۷ء کے صفحات ۱۳ تا ۸۱ پر شائع ہوا تھا۔ اس مراسلہ میں علامہ نے فلسفۂ خودی کی توضیح و تشریح فرماتے ہوئے خمینی صاحب کی اس حالیہ تقریر کے موضوع کے سلسلہ میں جو کچھ تحریر فرمایا تھا اس کا خلاصہ، اس مکتوب کے محولہ صدر ترجمہ سے اقتباسات کے مطابق یہ ہے کہ:۔

۱۔ اگرچہ جسمانی اور روحانی دونوں پہلوؤں سے انسان ایک مستقل بالذات مرکز ہے لیکن ابھی تک فرد کامل کے مرتبہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو نہیں پہنچا۔" (ص ۱۵ سطور ۴ تا ۶)

۲۔ "نیابت الٰہی دنیا میں انسانی ارتقا کی آخری منزل ہے جو شخص اس منزل پر پہنچ جاتا ہے وہ اس دنیا میں خلیفۃ اللہ ہوتا ہے۔ وہ کامل خودی کا مالک اور انسانیت کا منتہائے مقصود اور روح اور جسم دونوں کے لحاظ سے حیات کا بلند ترین مظہر ہوتا ہے یعنی اس کی زندگی میں آ کر حیات اپنے مرتبۂ کمال کو پہنچ جاتی ہے۔ کائنات کے پیچیدہ مسائل اس کی نظر میں سہل معلوم ہوتے ہیں۔ وہ اعلیٰ ترین قوت اور برترین علم، دونوں کا حامل ہوتا ہے۔ اس کی زندگی میں فکر اور علم، جبلت و ادراک، سب یکجا ہو جاتے ہیں۔ چونکہ وہ سب سے آخر میں ظاہر ہوگا، اس لئے وہ تمام صعوبتیں جو انسانیت کو ارتقائی منازل طے کرنے میں لاحق ہوتی ہیں برمحل ہیں۔ اس کے ظہور کی پہلی شرط یہ ہے کہ بنی نوع آدم جسمانی اور روحانی دونوں پہلوؤں سے ترقی یافتہ ہو جائیں **فی الحال اس کا وجود خارج میں موجود نہیں ہے**۔" (ص ۱۸ سطور ۶ تا ۱۶)

۳۔ "زمین پر خدا کی بادشاہت کے یہ معنی ہیں کہ یہاں یکتا افراد کی جماعت جمہوری رنگ میں قائم ہو جائے ان کا صدر اعلیٰ وہ شخص ہوگا جو ان سب سے فائق ہوگا اور **اس کا نظیر دنیا میں نہ مل سکے گا**۔" (ص ۱۸ سطور ۱۹ تا ۲۱)

مندرجہ بالا حوالہ جات جو قوسین میں دیئے گئے ہیں محولہ بالا شمارہ "میثاق" کے صفحات و سطور کے ہیں۔

ہم کیونکہ علامہ کے اس دعویٰ کو صمیم قلب سے تسلیم کرتے آئے ہیں جو کچھ انہوں نے نثر و نظم میں کہا اور لکھا وہ بجز
قرآن و حدیث کی تشریح و توضیح اور کچھ نہیں ہے۔ لہٰذا ان کی منقولہ صدر تحریر کی صداقت میں بھی کوئی شک و شبہ نہیں
کر سکتے کہ بقول ان کے از آدم تا ایں دم کاروانِ انسانیت جادۂ ارتقاء پر ہی گامزن ہے۔ اور ہنوز اس جسمانی و روحانی
ارتفاع تک نہیں پہنچ پایا جس کے فطری نتیجہ میں کوئی ایسا فرد بشر پیدا ہو سکتا جو نیابت الٰہی کا مستحق، کامل خودی کا مالک
انسانیت کا انتہائے مقصود اور روح و جسم دونوں کے اعتبار سے حیات کا بلند ترین مظہر اور خلیفۃ اللہ ہو سکتا۔ یعنی اس
کی زندگی میں آ کر حیات اپنے مرتبہ کمال کو پہنچ جاتی۔ کائنات کے پیچیدہ مسائل اس کی نظر میں سہل معلوم ہوتے، جو اعلیٰ
ترین قوت اور برترین علم دونوں کا حامل ہوتا اور اس کی زندگی میں فکر و علم اور جبلت و ادراک سب ایک ہو جاتے۔
علامہ کی مومنانہ بصیرت اور عارفانہ فکر پر یقین رکھتے ہوئے ہم ان کے اس اجتہادی و الہامی انکشاف پر بھی شک
نہیں کر سکتے۔ کہ مذکورہ بالا وہبی اوصاف کے حامل کسی شخص کا وجود فی الحال خارج میں نہیں ہے۔ بلکہ اس کا ظہور
سب سے آخر میں صرف اس وقت ہو سکے گا جب روئے زمین پر محض ایسے افراد کی ایک جماعت جمہوری رنگ
میں قائم ہو جائے گی جن میں سے ہر ایک بہمہ وجوہ یکتا و منفرد ہوگا۔ اور ان افراد کی اس جمہوری جماعت کا، بوجہ
فائق ترین اور بے نظیر ہونے کے وہ شخص صدر ہو سکے گا۔ علامہ کے اس فلسفہ سے یہ بھی انکشاف ہوا کہ پہلے
صالحین و فائقین کی جماعت جمہوری طریقہ پر قائم ہو جاتی ہے تب کوئی اصلح ظاہر ہوتا ہے نہ کہ پرانے نظریہ کے
مطابق جب گمراہوں اور معصیت کاروں کی کثرت ہو جاتی ہے تب خدا کوئی مصلح پیدا کرتا ہے۔ یہ علامہ کے مفکرانہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اجتہاد کا معرکۃ الآرا منفرد انقلابی انکشاف تھا۔

اسی فلسفہ اور نظریہ اقبال کی تائید واضح انداز میں فرماتے ہوئے آگے خمینی صاحب نے بھی یہ فرمایا ہے کہ:۔

"اب تک سارے رسولؐ، جن میں حضرت محمدؐ بھی شامل ہیں دنیا میں عدل و انصاف کے اصولوں کی تعلیم کے آئے لیکن وہ اپنی کوششوں میں کامیاب نہ ہو سکے۔ حتیٰ کہ نبی آخر الزماں حضرت محمدؐ بھی جو انسانیت کی اصلاح اور مساوات قائم کرنے آئے تھے اپنی زندگی میں نہ کر سکے۔ وہ واحد ہستی جو یہ کارنامہ انجام دے سکتی ہے اور دنیا سے بد دیانتی کا خاتمہ کر سکتی ہے امام مہدی کی ہستی ہے اور وہ مہدیٔ موعود ضرور ظاہر ہوں گے۔"

تو یہ وہی بات ہے جو ہمارے علامہ نے اپنے محولہ صدر مکتوب میں نکلسن کو لکھی تھی۔ البتہ علامہ نے اس متوقع بے نظیر و بے مثیل، کامل ترین انسان اور خلیفۃ اللہ کے تشخص کا اظہار نہیں فرمایا تھا جسے اب حضرت خمینی نے مہدی موعود بنا کر مشخص فرما دیا۔ باقی سب کچھ انہوں نے بھی اپنی تقریر کے اس پیراگراف میں تصریحاً وہی ارشاد فرمایا ہے جو علامہ نے کنایۃً نکلسن کے ذہن نشین کرانے کی کوشش کی تھی۔

اس متوقع زبدۃ انسانیت مجمع جملہ اوصاف جسمانی و روحانی و حامل جمیع قوتے داخلی و خارجی فرد بے مثیل کے لئے حضرت خمینی کا انتظار اور اس کے لازمی ظہور اور نتیجتہً دنیا میں قیام عدل و انصاف اور اصلاح انسانیت و قیام مساوات پر ان کا بالیقین محکم بھی ہمارے علامہ ہی کی فکر کی تصدیق ہے۔ جو ہمارے لئے یقیناً موجب افتخار و ابتہاج ہے۔ گویا کہ اسی اکمل الکملاء، مظہر حیات کامل اور نائب الٰہی کے ظہور کے منتظر آج خمینی صاحب بھی ہیں جس سے ہمارے علامہ نے اوائل بلوغ فکر ہی میں "حقیقت منتظر" کہہ کر خطاب کرتے ہوتے "لباس مجاز" میں آنے کی التجا کی تھی۔ اور پھر "شہسوار اشہب دوراں بیا" کی صدا لگائی تھی۔ ایلق ایام کے اس متوقع شہسوار کے لئے علامہ کے عشق اور تڑپ اور اس کے ظہور کے لئے بیقراری و اضطراب کا اگر مزید اندازہ کرنا ہو تو ان کی تحریروں میں بکھرے ہوئے بہت سے شواہد مل جائیں گے۔ جو ادارہ معارف اسلامیہ (لاہور) نے اپنے شائع کردہ "ہفت مقالات" میں بڑی خوبی سے جمع کر کے اقبال فہمی میں سہولت کے لئے پیش کر دئے ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ حضرت خمینی کی محولہ صدر تقریر کا اقتباس ان کی اور ہمارے علامہ کے مابین فکری ہم آہنگی اور نظری یک جہتی کا واضح اور ناقابل تردید ثبوت اور ہر دو ممالک کے ان دو مفکروں کے درمیان اتحاد ذہنی کی دلیل ہے۔

ہاں خمینی صاحب کے فرمودات کی کوئی جہت اگر محل نظر ہو سکتی ہے تو وہ ان کی اپنے متبعین و مقلدین کو مسلح اقدامات کی تعلیم و تلقین ہے۔ کیونکہ جب تک امام دوازدہم سرمن رائے کی خلوت سے قرآن مستور بدست جلوت میں تشریف نہ لائیں یا مہدی موعود حجلۂ غیب سے منصۂ شہود میں جلوہ فرما کر جمہوری رنگ میں تشکیل شدہ یکتا افراد کی قیادت نہ سنبھال لیں مسلح جہاد ممنوع ہے۔ جس کے برعکس وہ برسوں سے تبلیغ کرتے چلے آرہے ہیں۔ جس کو پس منظر میں رکھتے ہوتے اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امکان کو رد نہیں کیا جاسکتا۔ کہ ان کا اس نوعیت کا علی الاعلان ہرارشاد دعوائے مہدیت کی تمہید ہوسکتا ہے کیونکہ ان کے مسلک کی امہات الکتب کی رو سے جہاد بالسیف تو صرف مہدی موعود اور امام منتظر ہی کی زیر قیادت جائز ہوگا۔ لہذا اب تک جو ان کے ایما و احکام پر اندرونی اور بیرونی اسلحہ آزمائی ہوتی رہی ہے۔ اس کا جواز ثابت کرنا صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ حضرت خمینی خود ہی اس متوقع شخصیت ہونے کا اظہار فرما دیں تاکہ ان کی زیر قیادت گذشتہ، موجودہ اور آئندہ ہر داخلی و خارجی محاربت جہاد اور عند اللہ ماجور سمجھی جاتے۔ جس میں ہر محارب مجاہد یا شہید کے مرتبہ پر فائز ہوسکے۔ اور اس جہاد کے دائرے کو جہاں تک ممکن ہو وسعت دی جاسکے۔ جہاں تک اُن کے اس متوقع اعلان کو تسلیم کرنے کا سوال ہے تو اس میں شک و شبہ نہیں کہ جو مجاہدین ان دنوں ان کی زیر قیادت اس جہاد سے ثواب عاجل حاصل کر رہے ہیں یا جن کو آئندہ اس جنبش میں شمولیت سے اسی زندگی میں اجر جزیل کی توقعات ہوں گی، وہ سب تو قلبی بالسانی طور پر ایمان لے ہی آئیں گے جو ایک ہی خطہ میں مجتمع ہونے کی بنا پر اندرونی و بیرونی منکرین سے جہاد کے لئے مؤثر طاقت ہوسکیں گے۔ بغیر اس قسم کے اعلان کے اجتماعیت محال ہے اور یہی افتراق و انتشار رہے گا جس کا مشاہدہ اب تک ہوتا رہا ہے ●

بقیہ ص۳۶ مسلمانان عرب

ہوتے ہیں ہر قسم کے رنگ موجود ہیں۔ اور کمروں کے اندرونی حصہ میں جو زخرفۃ العرب کا کام ہے۔ اس کے ساتھ مطابقت اور موافقت رکھتے ہیں۔ جا بجا طغرائے ثنا ہی جس خوبصورتی سے دکھائے گئے ہیں ان پر نظر پڑتے ہی ایک مرتبہ تو آنکھوں کے سامنے ان بادشاہوں کے جلال و عظمت کا نقشہ کھچ جاتا ہے جن کے زمانہ میں یہ عمارات بنی ہیں۔ ان عمارات کے درو دیوار، قبوں اور میناروں کو دیکھ کر جو جادوانہ اثر انسان کے دل پر پڑتا ہے ان کی واقعی اور حقیقی تصویر الفاظ نہیں کھینچ سکتے اور نہ قیاس اس میں کام کرسکتا ہے[1]

علاوہ ازیں نئی تعمیری شکلوں میں لداؤ چھت اور گنبد ایک شکل سے دوسری شکل میں عبور کرکے قلمی شکل سے مزین توڑے اور نہایت پر کار محرابیں بنانے کا طریقہ، اٹھا ہوا گنبد، دندانے دار سرول پیچ کی جالیوں میں بڑھائے ہوئے رنگین شیشوں کے دریچے۔ منبت کاری، پستر کاری، ہندسی زمین کو بناتی نمونوں کے ساتھ ملا کر تزئین کے طریقوں میں غیر معمولی پر کاری۔ مربع سے مثمن اور مثمن سے دائرہ میں تبدیل ہونے والے درجہ بدرجہ منزلوں والے مینار مسلمانان عرب کے فن تعمیر کی نمایاں ترین خصوصیات ہیں[2] اَلعِلمُ عِندَ اللہِ العَلّام

---

[1] اخبار الاندلس ج ۳ ص ۶۲۷ [2] اسلامی فن تعمیر از ارنسٹ ٹمار جیام ص ۱۹۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جناب بشیر محمود اختر صاحب

ایک فرانسیسی سائنس دان کی مفکرانہ تصنیف

بائبل، قرآن اور سائنس

"بائبل قرآن اور سائنس" ایک فرانسیسی سائنس دان اور سرجن ڈاکٹر موریس بوکائے کی مفکرانہ تصنیف کا نام ہے۔ اس کا پہلا فرانسیسی ایڈیشن قریباً چھ سال قبل پیرس میں طبع ہوا تھا۔ بعد میں انگریزی اور عربی ایڈیشن شائع ہوئے۔

اس وقت اس کا انگریزی ایڈیشن ہمارے پیش نظر ہے۔ جو اڑھائی سو سے زائد صفحات پر پھیلا ہوا ہے اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے اپنی تحقیقات کے لئے خالص سائنسی اور معروضی انداز اختیار کیا ہے۔ اور ہر جگہ یہی کوشش کی ہے کہ ذاتی عقائد اور جذبات سے علیحدہ رہ کر علمی اور منطقی معیار قائم رکھا جائے۔ چنانچہ ان کی یہ کوشش نہایت کامیاب رہی۔ اور انہوں نے اپنی تحقیقات کے آخر تک یہی معیار اور اسلوب قائم رکھا۔

ڈاکٹر بوکائے ایک عیسائی فاضل ہیں۔ انہوں نے اپنے مطالعہ کے دوران قرآن حکیم کے تراجم سے بھی استفادہ کیا۔ لیکن مختلف تراجم کے مطالعہ اور موازنے سے ان پر یہ بات منکشف ہوئی کہ اکثر تراجم نہایت ناقص تھے۔ اور اصل معانی واضح نہیں کرتے تھے۔ وہ اپنے ایک اور مقالے بعنوان "قرآن حکیم کے ناقص تراجم"[1] میں بتاتے ہیں کہ ان تراجم میں مطالب کو مستور یا ملفوف کر دینے کی کوشش کو میں بھانپ گیا اور یہ جان گیا کہ بعض جگہوں پر تو محض از راہ عناد جان بوجھ کر معانی بدل کر رکھ دیے گئے ہیں۔ تاکہ عبارات کو اپنے نقطۂ نظر کے مطابق ڈھالا جا سکے۔ اس صورت حال کے پیش نظر ڈاکٹر بوکائے نے عربی زبان سیکھی تاکہ قرآن حکیم کا براہ راست مطالعہ کیا جا سکے۔ اصل عبارات اور مفاہیم پر غور و فکر کی راہ باز ہو سکے۔

---

[1] Inexact Translations of Holy Quran: article by Dr. Maurice Bucaille, "The Islamic Order," Karachi Vol. 2, Page 38-39.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مذہبی کتابوں کا مطالعہ اس انداز سے کرنا کہ تعصب و عناد راہ نہ پا سکیں۔ نہایت دشوار مرحلہ ہوتا ہے پھر اپنی تحقیقات کو سیدھے الفاظ میں بلا کم و کاست بیان کر دینا، تلاش حق اور اظہار حق کی ایک واضح دلیل ہے۔

عموماً ہوتا یہ ہے کہ بڑے بڑے نام نہاد مستشرقین جو اسلام اور قرآن کے مستند سکالر کہلاتے ہیں ، تعصب اور جذبات سے بالاتر ہو کر حق و صداقت کے اعلان اور اظہار سے عاجز ہی رہتے ہیں۔ ڈاکٹر بوکائے ایک سچے سائنس دان اور سکالر کی حیثیت سے اعلائے حق کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ انہیں دراصل ایسی شہادتیں اور بنیادیں فراہم ہو گئیں کہ وہ ان کے برملا اظہار کے بغیر نہ رہ سکے۔

ڈاکٹر بوکائے نے اپنی کتاب کو چار ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ عہد نامۂ قدیم۔ ۲۔ اناجیل۔ ۳۔ قرآن مجید اور جدید سائنس۔ ۴۔ قرآن مجید اور بائبل کے واقعات

پھر ایک مختصر سا باب "قرآن، احادیث اور جدید سائنس" کے عنوان سے ہے۔ آخر میں اس تحقیق و مطالعہ کے عمومی نتائج پیش کئے گئے ہیں۔

سب سے پہلے بائبل کو لیجئے۔ بائبل کے بارے میں ڈاکٹر بوکائے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ زبانی روایات کے طور پر نسلاً بعد نسل سنائی جاتی رہی۔ اس طرح کلام الٰہی میں بہت سا انسانی کلام بھی شامل ہوتا چلا گیا۔ اور اصل میں نقل کی آمیزش ہوتی چلی گئی۔ بائبل کی مختلف کتابیں مختلف زمانوں میں لکھی گئیں۔ اندازہ یہ لگایا گیا ہے کہ بائبل کی کتابیں دسویں صدی اور پہلی صدی قبل مسیح کے دوران میں تحریر کی گئیں۔ انہیں مکمل کیا گیا اور ان پر نظر ثانی کی گئی۔ گویا بائبل ان ادبی تحریروں کا مجموعہ ہے جو کم و بیش نو صدیوں کے عرصہ میں مرتب کی گئیں۔ پھر وقتاً فوقتاً ان میں رد و بدل بھی کیا جاتا رہا۔ انسانی ذہن اور قلم کی کارفرمائیاں جگہ جگہ دیکھی جا سکتی ہیں۔

دوسری ویٹیکن کونسل ۱۹۶۲ء ، ۱۹۶۵ء نے یہ بات تسلیم کر لی تھی کہ عہد نامۂ قدیم کی کتابوں میں ایسا مواد موجود ہے جو اب ناقص اور فرسودہ معلوم ہوتا ہے۔ اس عہد نامے کے مطالعہ سے ڈاکٹر بوکائے نے جو عمومی تاثرات مرتب کئے ہیں انہیں ہم سمیٹ کر یوں بیان کر سکتے ہیں۔

۱۔ عہد نامۂ قدیم تمام و کمال الہامی کلام نہیں ہے۔

۲۔ اس میں بہت سا انسانی کلام شامل ہے۔

۳۔ اس میں متعدد تضادات اور بعید از قیاس بیانات موجود ہیں

۴۔ اس کا متن حرف بہ حرف قابل قبول نہیں ٹھہرتا

۵۔ جدید سائنسی معلومات اور انکشافات بائبل کے بیانات کی تصدیق و توثیق نہیں کرتے۔

ڈاکٹر بوکائے نے بے شمار مثالوں اور حوالوں سے اپنے بیانات کو ثابت کرنے کی سعی بلیغ کی ہے۔ مثلاً وہ

© rasailojaraid.com

بتلاتے ہیں کہ عہدنامہ قدیم کی کتاب پیدائش میں دنیا کی تخلیق اور زمین پر انسان کے ظہور اور انساب سے متعلق جو اعداد و شمار دیے گئے ہیں وہ جدید سائنسی معلومات کے مسلمہ حقائق سے بالکل مطابقت نہیں رکھتے۔ اس لئے انہیں تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

اسی طرح کتاب پیدائش کے چھٹے، ساتویں اور آٹھویں ابواب میں طوفان نوح کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ کل بنی نوع انسان اس طوفان کی زد میں تھا۔ یہ طوفان اس قدر عالمگیر تھا کہ تمام ذی روح مخلوق فنا ہو گئی۔ اس کے قریباً تین سو سال بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے تو انہیں ایک نسل دکھائی دی جو مختلف اقوام میں منقسم تھی۔ کیا یہ ممکن ہے کہ اتنی قلیل مدت میں ایک نسل اس قدر پھیل جائے کہ وہ مختلف اقوام میں تقسیم ہو جائے؟ پھر جدید تاریخی معلومات سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ اس وقت تہذیب و تمدن دنیا کے کئی حصوں میں پھیل چکا تھا۔ چنانچہ اس کی باقیات محفوظ رہ گئی ہیں۔ مصری اور بابلی تہذیبوں کے تاریخی مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ ان تہذیبوں میں کوئی انقطاع واقع نہیں ہوا۔ لہٰذا ایسی کوئی تباہی رونما نہیں ہو سکتی تھی جو جملہ بنی نوع انسان کو ملیامیٹ یا متغیر کر دیتی۔ چنانچہ تاریخی اعتبار سے یہ ماننا پڑے گا کہ طوفان کا تذکرہ جس طرح بائبل میں ہوا ہے وہ جدید انکشافات اور سائنسی حقائق سے بالکل متناقض ہے۔

عہدنامہ قدیم کے بعد عہدنامہ جدید (یعنی اناجیل اور دوسری کتابوں کا مجموعہ) کا نمبر آتا ہے۔ عہدنامہ جدید مطبوعہ پیرس ۱۹۶۷ء اور ترجمہ بائبل، اور ترجمہ بائبل۔ عہدنامہ جدید مطبوعہ پیرس ۱۹۷۲ء[۱] کے مرتبین اس معاملے میں متفق الرائے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں کی زبانی مواعظ سن کر اور ان سے متاثر ہو کر مختلف لوگوں نے انہیں اپنے اپنے فہم اور مزاج کے مطابق الگ الگ انجیل کی صورت میں رقم کیا۔ انہوں نے تبلیغ و موعظت اور عبادت کی ضرورت کے لئے حیاتِ عیسیٰؑ کی روایات قلم بند کرنا شروع کی تھیں۔ سیرت اور سوانح نگاری کا مقصد ان کے پیش نظر نہ تھا ڈاکٹر بوکائے کے بقول اناجیل کا موازنہ بڑی حد تک احادیث سے کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ جس طرح احادیث کے مجموعے رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد کئی برس بعد مرتب ہوئے۔ اسی طرح اناجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کئی برس بعد لکھی گئیں۔ البتہ یہ موضوع بالکل مختلف ہے۔ کہ احادیث کے حصول و قبول اور اندراج میں جو احتیاط ملحوظ رکھی گئی اور جو معیار قائم کیا گیا اس کا عشر عشیر بھی انجیل کے واقعات کی فراہمی اور تحریر میں نہیں ملتا۔

---

۱ The Ecumenical Translation of the Bible, New Testament, Paris, 1972.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈاکٹر بوکائے اپنی کتاب کے "ابتدائیہ" میں لکھتے ہیں کہ اناجیل کی ایک بڑی تعداد میں سے صرف چار منتخب کی گئیں حالاں کہ ان میں باہم کئی اختلافات اور تضادات موجود ہیں۔ ان چار انجیلوں کے علاوہ باقیوں کو چھپا دینے کا حکم دیا گیا تھا اسی لئے ان کے لئے کا لفظ استعمال کیا گیا تھا جس کا لفظی معنی ہی "چھپایا گیا" کے ہیں۔ غیر معتبر یا غیر قانونی کا مفہوم اسے بعد میں دیا گیا ہے۔

عیسائیت میں تو ایسا کوئی متن موجود نہیں جو الہامی بھی ہو اور اسے ضبط تحریر میں بھی لایا گیا ہو۔ البتہ اسلام میں قرآن مجید اس معیار پر پورا اترتا ہے۔

اناجیل اربعہ میں ۷۰ سے لے کر ۱۱۰ سن عیسوی سے کچھ پہلے تک کے عرصے میں لکھی گئیں۔ انہیں اولین مسیحی تحریریں نہیں کہہ سکتے کیونکہ ان سے بہت پہلے سینٹ پال کے مکتوبات معرض تحریر میں آچکے تھے۔ مثلاً ایک اندازے کے مطابق تھیسالونیوں کے نام پال کا خط سن ۵۰ میں لکھا گیا تھا۔

اناجیل اس دور کی تحریریں ہیں جس دور میں ایک طرف پال اور اس کے متبعین اور دوسری طرف حضرت عیسیٰؑ کے حوا اور ان کے شاگردوں کے درمیان شدید کشمکش جاری تھی۔ چنانچہ جب پال کے متبعین فتح یابی کی طرف بڑھ رہے تھے تو دوسری طرف لاتعداد تحریروں میں سے یہی چار اناجیل چن لی گئیں۔ اور باقی رد کر دی گئیں۔ اناجیل کے مطالعے سے ڈاکٹر بوکائے نے جو نتائج اخذ کئے ہیں۔ انہیں خلاصۃً یوں ملاحظہ فرمایئے۔

۱۔ انجیل پڑھنے والے کو کسی طرح اس بات کا یقین نہیں آتا کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کے فرمودات کا مطالعہ کر رہا ہے۔

۲۔ اناجیل کی تحریر سے پہلے پال کے خطوط رواج پا چکے تھے۔

۳۔ ۱۴۰ء سے قبل ایسی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ اناجیل کے کسی مجموعے کا کوئی نسخہ موجود تھا۔ یہ تو ۱۷۰ء کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ چار انجیلوں نے شرعی حیثیت حاصل کر لی ہے۔

۴۔ کلیسا نے کم و بیش ایک سو انجیلوں کو دبا دیا۔ صرف چار کو باقی رہنے دیا اور انہیں مصدقہ قرار دیا۔

۵۔ اناجیل میں بہت سا مواد ایسا شامل ہے جسے انسانی فکر کا نتیجہ سمجھنا چاہئے۔ لہٰذا ان کی الہامی حیثیت مشکوک ٹھہرتی ہے۔

۶۔ خود ان اناجیل اربعہ میں باہم اختلافات اور تضادات موجود ہیں۔

۷۔ کئی واقعات کا بیان ان اناجیل میں مختلف طریقوں سے ہوا ہے۔ مثلاً متی اور لوقا کی انجیلوں میں حضرت عیسیٰؑ کے نسب نامے بھی شامل ہیں۔ یہ دونوں نسب نامے بھی باہم مختلف ہیں اور ہنوز موضوع بحث ہیں اس سلسلے میں یہ بات قطعی طور پر تسلیم کرنی پڑے گی۔ کہ پدری نسب ناموں کی حضرت عیسیٰؑ سے قطعاً کوئی مناسبت نہیں۔ اگر کوئی شخص حضرت مریمؑ کے اکلوتے بیٹے کا نسب نامہ بیان کرتا ہے۔ جو کہ صلبی باپ کے بغیر پیدا ہوا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ نسب نامہ حضرت عیسیٰؑ کی والدہ ماجدہ حضرت مریمؑ کا نسب نامہ ہی ہونا چاہیے۔

اسی طرح یوحنا کی انجیل اور باقی تین انجیلوں کے درمیان بڑے اختلافات پائے جاتے ہیں۔ بالخصوص یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ اس انجیل میں عشائے ربانی کی رسم کا تذکرہ ہی نہیں ہے جیسے دوسری اناجیل میں بڑا اہم مقام حاصل ہے۔

۸۔ اناجیل میں بہت سی غیر امکانی باتیں بھی درج ہیں۔ جدید سائنسی اور علمی معلومات کے ساتھ تناقضات اس حقیقت کو نمایاں کرتے ہیں کہ اناجیل میں ایسے اجزا شامل ہیں جو انسانی تخیل ہی کی پیداوار ہو سکتے ہیں۔

ان مذہبی صحیفوں کے برعکس قرآن حکیم کی حیثیت بالکل مختلف اور منفرد ہے۔ قرآنی آیات کا نزول، ان کی تحریر اور حفظ کے بارے میں حقائق ایسے اظہر من الشمس ہیں۔ کہ صحائف سابقہ پر عائد کردہ اعتراضات میں سے کوئی بھی قرآن حکیم پر وارد نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر بوکائے یہ بات واضح کرتے ہیں کہ قرآن حکیم کی کسی ایک آیت پر بھی شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ یہ اصل نہیں۔ کیونکہ وحی ہوتے ہی آیاتِ قرآنی کو حفظ کر لیا جاتا تھا۔ اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ طیبہ ہی میں قرآن ضبطِ تحریر میں لایا جا چکا تھا۔ اسی وجہ سے قرآن حکیم کی طرف سے اس کی آیات کی استناد کا کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوتا۔ پھر اس میں درج کوئی بیان بھی ایسا نہیں جس پہ جدید سائنس نقطہ نظر سے حرف گیری کی جا سکے۔ بلکہ قرآنی مندرجات اور جدید سائنسی معلومات میں مکمل توافق ہے۔ قرآن حکیم سائنسی علوم اور تجربات و انکشافات سے متصادم نہیں۔ ایجادات اور وسائل کی ترقی قرآنی اصولوں اور حکموں کے خلاف نہیں۔ بلکہ قرآنی تعلیمات سائنسی اور علمی انداز فکر میں ممد و معاون ثابت ہوتی ہیں۔ یہاں یہ بتا دینا بھی حقیقت کے عین مطابق ہے۔ کہ موجودہ سائنسی ترقی نے ہمیں کئی آیاتِ قرآنی کا صحیح مفہوم سمجھنے کے قابل بنایا ہے۔

ڈاکٹر بوکائے اپنے ایک اور مقالے "قرآن اور جدید سائنس"[۹] میں لکھتے ہیں کہ میں نے اپنی تحقیق کے دوران میں کلّی طور پر معروضی رہنے کی کوشش کی ہے۔ مجھے اعتماد ہے کہ میں مطالعۂ قرآن کو اسی انداز معروضیت سے پرکھنے میں کامیاب رہا ہوں جو انداز ایک مریض کا معائنہ کرنے میں ڈاکٹر اختیار کرتا ہے — اور میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ ابتداءً میری رہنمائی اسلام پر اعتقاد نے ہرگز نہیں کی بلکہ محض تلاشِ حقیقت میں میری رہنما اور رہبر ثابت ہوئی۔ اپنے مطالعہ کے اختتام تک پہنچتے پہنچتے یہ حقیقت مجھ پر منکشف ہو چکی تھی۔ کہ قرآن ایک ایسی کتاب ہے جو الہام کے ذریعے ایک پیغمبر پر نازل ہوئی۔ چنانچہ قرآن حکیم کے مطالعہ و تحقیق کا خلاصہ ڈاکٹر بوکائے ہی کے الفاظ میں ان نکات کی صورت میں پیش کیا جا سکتا ہے:

قرآن حکیم کے بیانات موجودہ سائنسی معلومات اور انکشافات سے پوری طرح مطابقت رکھتے ہیں۔

---

۹ The Quran and Modern Science: Dr. Maurice Bucaille, Ashraf Publications, Karachi

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۔ سائنسی موضوعات مثلاً تخلیقِ کائنات، فلکیات، عالم حیوانات، ونباتات وغیرہ کثیر تعداد میں قرآن حکیم میں موجود ہیں اور سائنسی نقطہ نظر سے ان میں کوئی کجی یا کمی محسوس نہیں ہوتی۔ جب کہ بائبل میں بڑے بڑے تسامحات موجود ہیں۔

۳۔ قرآن حکیم اگر کسی بشر کا کلام ہوتا تو ساتویں صدی عیسوی میں وہ ایسے حقائق کس طرح بیان کرتا جو صدیوں بعد منکشف ہونے والے تھے اور جو آج کے جدید سائنسی علوم کے عین مطابق ہیں۔ یہ بات بطور خاص نوٹ کرنے کی ہے کہ بیشتر سائنسی حقائق جن کی یا تو قرآن میں نشان دہی کی گئی ہے۔ یا انہیں صاف صاف بیان کیا گیا ہے۔ موجودہ دور ہی میں مسلّمہ حیثیت حاصل کر سکے ہیں۔

۴۔ قرآن کریم نازل ہونا شروع ہوا تو حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ پر ایمان والے اسے حفظ کرتے جاتے تھے اور کاتبوں نے اسے لکھنا بھی شروع کر دیا تھا۔ اس طرح قرآن کا آغاز صحت و صداقت کے ان دو عناصر سے ہوا جو کسی دوسرے صحیفے کو حاصل نہیں ہو سکے۔

۵۔ وہ تصورات اور نظریات جو نزول قرآن کے وقت رائج اور مشہور تھے۔ قرآن میں درج نہیں ہوسکے۔ کائنات، زمین، سمندر، چاند، حیوانات اور نباتات کے علوم جوں جوں ترقی کرتے گئے اور جدید زمانے میں جو انکشافات ہوئے ہیں اُن سے کئی ایسے حقائق اور تصورات سامنے آئے ہیں جنہیں قرآن حکیم نے بیان کیا ہے اس لئے یہ کہنا بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے کہ جدید سائنسی ترقی نے ہمیں کئی آیات قرآنی کی تفہیم کے قابل بنایا ہے۔

۶۔ قرآن کریم پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اس میں بہت سا مواد بائبل سے منقول ہے۔ صورت حال دراصل کچھ یوں ہے کہ جب بائبل اور قرآن کے مشترک مضامین کی تفاصیل کا موازنہ کیا جاتا ہے اور ان دونوں صحیفوں کے بیانات و اندراجات پر آج کی علمی اور سائنسی تحقیقات کی روشنی میں تنقید کی جاتی ہے تو ثابت یہ ہوتا ہے کہ قرآنی اندراجات میں سائنسی اعتبار سے کوئی سقم نہیں۔ اس کے برعکس بائبل کے بیانات اس تنقیدی معیار پر پورے نہیں اترتے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآنی آیات کو درج کراتے ہوئے حضور اکرم علیہ السلام والصلوٰۃ کو کس شخص یا کس قوت نے بعض بیانات نقل کرنے سے باز رکھا اور صرف ان صحیح باتوں کو شامل کتاب کرنے پر اکسایا جن کی بدولت قرآن کا متن تنقید سے بالاتر ہو گیا ہے۔

ڈاکٹر بوکائے نے اپنی کتاب کا اختتام ان فقروں پر کیا ہے جو گویا ان کی ساری تحقیق اور پوری کتاب کا نچوڑ ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے کی علمی سطح کے پیش نظر یہ بات ناقابلِ تصور معلوم ہوتی ہے کہ سائنس کے متعلق قرآن کے بیانات کسی بشر کی اختراع ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا قرآن کو نہ صرف وحی آسمانی تسلیم کرنا بالکل درست اور روا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اسے دوسری سب کتابوں کے مقابلے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں) ایک بالکل خصوصی مقام دیا جائے ۔ ایک تو اس استناد کے سبب جو اس سے فراہم ہوتی ہے اور دوسرے اس لیے کہ اس میں موجود سائنسی اور علمی بیانات جب آج کے دور میں پڑھے جاتے ہیں تو انسانی فہم کے مطابق ان کی تشریحات کے لیے ایک چیلنج بن کر سامنے آتے ہیں۔

ڈاکٹر بوکائے ہمیں بتلاتے ہیں کہ مغرب میں اسلام کے بارے میں انتہائی غلط بیانات پیش کئے جاتے ہیں بعض اوقات تو وہ محض ناواقفیت کا نتیجہ ہوتے ہیں اور بعض اوقات باقاعدہ دانستہ طور پر بدنام کرنے کی غرض سے۔ اب تو ویٹیکن کی ایک دستاویز میں یہ بات واضح طور پر تسلیم کرلی گئی ہے۔ کہ ماضی میں مسلمانوں کے ساتھ ناانصافی کی جاتی رہی ہے اور ہمیں اپنے قصور کا اعتراف کرلینا چاہیئے۔ اب ہمیں اپنے رویے پر نظر ثانی اور اپنے طرزِ عمل میں بڑی تطہیر کی ضرورت ہوگی۔

ڈاکٹر بوکائے کی یہ تصنیف بلاشبہ بڑی فکر افروز اور توجہ طلب ہے۔ پھر خالص سائنسی اور معروضی طریقِ عمل بہت اثر انگیز اور لائق صد تحسین ٹھہرتا ہے۔ اصحاب فکر و دانش سے بجا طور پر یہ امید کی جاسکتی ہے کہ وہ ڈاکٹر بوکائے کی تحقیقات کے نتائج پر کھلے دل سے غور فرمائیں گے اور اس طرح حقائق کی روشنی سے بصیرت حاصل کرسکیں گے۔

اس معرکۃ الآرا تصنیف کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر پروفیسر حسنین کاظمی صاحب نے اس کے مندرجات کو اردو قارئین کی خاطر اپنی زبان میں منتقل کرنا شروع کیا تھا۔ وہ روزنامہ جنگ میں ستمبر ۱۹۷۹ء سے مارچ ۱۹۸۰ء تک قسط وار مضامین لکھتے رہے۔ یہ مضامین مذکورہ کتاب کے مختلف ابواب کی تشریح و توضیح لیے ہوتے تھے۔ ان کا ترجمہ نہیں ہوتا تھا بلکہ ترجمانی کی حیثیت رکھتے تھے۔ انہیں محض خلاصہ یا تبصرہ بھی نہیں کہہ سکتے۔ کاظمی صاحب نے بڑی رواں اور دلچسپ تحریر میں اس کتاب کے مندرجات کو سمیٹ لیا۔ وہ دراصل ڈاکٹر بوکائے کے عالمانہ اور غیر جانب دارانہ انداز سے متاثر ہوئے تھے۔ اس لئے انہوں نے اس کی ترجمانی کا بیڑا اٹھایا۔ اور بڑی کامیابی سے یہ فریضہ سرانجام دیا۔

وہ خود بتاتے ہیں کہ حصول علم اور تحقیق و تجسس میں اگر انسان منصفانہ اور دیانتدارانہ اور غیر جانب دارانہ رویہ پیش نظر رکھے۔ تو اس کے نتائج بڑے تعمیری اور فکری اعتبار سے بڑے انقلاب آفریں ہوتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ کوئی تصور، کوئی عقیدہ یا کوئی خیال محض اس لئے "سچا" نہیں ہوتا کہ ہم اور ہمارے بزرگ اسے سچا سمجھتے چلے آئے ہیں۔ بلکہ حق اور سچائی کی اصل پہچان یہ ہے کہ انسانی علم اور عقل کسی دور میں بھی اس تصور عقیدے یا خیال کی تردید نہ کرسکے۔ بلکہ علمی اور فکری ارتقا کے ساتھ ساتھ اس کی تصدیق ہوتی چلی جائے۔

ڈاکٹر بوکائے نے اپنی تصنیف میں یہی ذہنی اور فکری روش برقرار رکھی ہے اور اسی بنا پر وہ اللہ کی محفوظ ہدایت کی علمی تصدیق کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ کاظمی صاحب کی یہ تحریریں اب کتابی شکل میں "راہ اور روشنی" [۱]

---

[۱] "راہ اور روشنی" پروفیسر حسنین کاظمی، علمی ادارہ بہادر آباد کراچی ص ۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے نام سے شائع ہوگئی ہے۔ اسے چودہ ابواب میں پھیلایا گیا ہے۔ اور سب اہم نکات کی وضاحت کردی گئی ہے۔ اس کے ایک تبصرہ نگار نے خوب لکھا ہے۔ کہ یہ کتاب مسلمانوں کے لئے ایک فکری مہمیز مہیا کرتی ہے۔ اور یہی خوبی اس کا طرۂ امتیاز ہے۔

ڈاکٹر بوکائے کی اس کتاب کا ایک اردو ترجمہ بھی طبع ہو کر سامنے آیا ہے۔ "بائبل، قرآن، سائنس" کے نام سے یہ ترجمہ ثناء الحق صدیقی صاحب کی کاوش کا نتیجہ ہے۔ فہرست مضامین کے علاوہ یہ کتاب ۳۱۶ صفحات پر محیط ہے۔ اس کی فہرست کتاب کے آغاز میں دینے کی بجائے آخر میں دی گئی ہے۔

یہ کتاب پڑھتے ہوئے جگہ جگہ یہ احساس دامن گیر ہوتا ہے۔ کہ ہم انگریزی کتاب کا ترجمہ پڑھ رہے ہیں۔ فقروں کی طوالت اور انگریزی ترتیب ہی سے فقروں کا لفظی ترجمہ بعض مقامات پر سنگ گراں ثابت ہوتا ہے۔ اور الجھاؤ کا باعث بنتا ہے۔ کہیں کہیں بے ربطی اور بے کیفی مطالعے کو بے مزہ سا کر دیتی ہے۔

انگریزی تعارف کے ترجمے میں صفحہ ۱ پر جہاں یہ فقرہ ہے کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جمع شدہ اقوال اور آپ کے افعال کے تذکرے ہیں، یہاں سے آگے قریباً دس انگریزی سطروں کا ترجمہ سرے سے غائب ہے۔ اسی صفحے پر ایک جگہ لفظ کا ترجمہ مسترد قرار دیا جائے ـــ کیا گیا ہے۔ اس سے پوری بات بے معنی ہو کر رہ گئی ہے۔
حالاں کہ صحیح ترجمہ چھپائے جانے سے کر دیا جاتا تو بات واضح ہو جاتی۔
سے اب مراد مسترد قرار دئے گئے صحیفے یا اسفار محرفہ ہی لی جاتی ہے۔ لیکن ابتداءً
انہیں چھپا دیا جاتا تھا۔ اور کا لفظی معنی یہی تھا۔

صفحہ پندرہ پر ایک جگہ درج ہے کہ جو بات آج بھی کھٹکتی ہے۔ یہاں ترجمے اور سیاق و سباق کے اعتبار سے لفظ "بھی" بالکل زائد ہے۔ مراد یہ تھی کہ جدید تحقیق اور سائنسی معلومات نے آج بہت سی چیزوں کے بارے میں شکوک پیدا کر دئے ہیں اور کئی چیزیں کھٹکنے لگی ہیں۔

اسی طرح صفحہ ۱۲ پر ایک فقرہ ہے۔ سب سے اہم حقیقت جو یوحنا کی انجیل میں قاری کو دوران مطالعہ میں تذکرہ پڑھتے (پڑھتے) وقت کھٹکتی ہے ـــــ ویسے تو پورا فقرہ ہی قدرے غیر مرتب صورت میں لکھا گیا ہے۔ لیکن یہاں "کھٹکتی ہے" کا استعمال بہت کھٹکتا ہے۔ یہ لفظ دراصل "اہم حقیقت" کے لئے آیا ہے اور حقیقت یا تو ظاہر ہوتی ہے یا منکشف ہوتی ہے۔ یہاں دراصل لفظ حقیقت کا کوئی محل نہ تھا۔

الجھے ہوئے اور قدرے طویل فقروں کی صرف دو مثالیں دیکھئے۔ گو ان سے طویل تر اور پیچیدہ تر فقرے کتاب میں ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں۔

۱۔ اگر کسی نے اناجیل کے مطالعہ کے دوران اس پر تنقیدی نظر ڈالی ہے تو اس کے نتیجہ میں جو تحقیقات کی جائیں ان کے

(باقی صـ ۶۶ پر)

© rasailojaraid.com